© rasailojaraid.com

یاسر محمد خان

سیاسی بداعمالیوں کی دستاویز

IN THE LINE OF FIRE

جناب گوہرالطاف پاکستان کے سینئر بیوروکریٹ ،شاعر اور ادیب تھے۔انہوں نے پاکستان بننے کے فوراً بعد سول سروس جوائن کی اور اسسٹنٹ کمشنر سے فیڈرل سیکرٹری کے عہدے تک پہنچ گئے ۔ایوب خان کے دور میں وہ پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات تھے۔ایوب خان کا اقتدار جب جوبن پر تھا تو فیلڈ مارشل نے اپنی خودنوشت لکھنے کا فیصلہ کیا۔اس خودنوشت کے لیے برطانیہ کا ایک صحافی منتخب کیا گیا۔اس صحافی نے اس وقت ایک ملین ڈالر کے قریب معاوضہ لیا۔جس کے بعد اس کتاب کا عمل شروع ہوگیا۔وہ صحافی وقتاً فوقتاً پاکستان آتا رہتا۔وہ ایوب خان کے انٹرویوز کرتا ،سیکرٹ ڈاکومنٹ (خفیہ کاغذات) لیتا اور واپس چلا جاتا۔ایک سال کی مسلسل کوشش اور محنت کے بعد اس صحافی نے کتاب مکمل کر کے ایوب خان کے حوالے کردی۔صدر ایوب خان یہ کتاب پڑھنے کے بعد حیران رہ گئے اور کہنے لگے:''یہ کتاب میری نہیں۔''

ایوب خان کا کہنا تھا اس کتاب میں ان کی شخصیت پوری طرح نظر نہیں آتی ۔یہ کتاب ایک خودنوشت کم اور ایک سرکاری اور تحقیقی دستاویز زیادہ نظر آتی ہے۔ایوب خان نے الطاف گوہر کو بلوایا اور انہیں حکم جاری کیا:''میں اس کتاب سے مطمئن نہیں ہوں۔اب یہ کتاب آپ لکھوائیں گے۔''یوں صدر ایوب خان کی خودنوشت وزارتِ اطلاعات کی ذمہ داری بن گئی۔

الطاف گوہر نے شروع میں چند سینئر صحافیوں ،دانشوروں اور مصنفوں کا ایک پینل تشکیل دیا اور اس کتاب کی ذمہ داری اس پینل کو سونپ دی۔یہ پروجیکٹ بھی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔یوں آخر میں فیصلہ ہوا صدر ایوب خان کی خودنوشت جناب الطاف گوہر خود تحریر کریں گے۔اس کتاب کے معاملے میں تین چیزیں طے ہوئیں۔نمبر ایک: یہ کتاب نتھیا گلی میں لکھی جائے گی۔اس وقت نتھیا گلی پاکستان کا گرمائی دارالحکومت ہوتا تھا۔صدر ایوب خان گرمیوں میں نتھیا گلی منتقل ہوجاتے تھے۔ وہاں ایک ایوانِ صدر تھا' جس میں صدر کا سٹاف رہتا تھا۔صدر گرمیوں میں تمام میٹنگز نتھیا گلی میں کرتے تھے۔نمبر دو: صدر صاحب شروع میں الطاف گوہر کو ایک طویل انٹرویو دیں گے۔یہ انٹرویو ٹائپ کیا جائے گا،صدر صاحب اس کا جائزہ لیں گے اور اس جائزے کے بعد الطاف گوہر کتاب پر کام شروع کردیں گے۔نمبر تین: اس کتاب کے تین باب الطاف گوہر خود تحریر گے۔اس پلان کے بعد کتاب پر کام شروع ہوگیا۔صدر چند دنوں کے لیے نتھیا گلی منتقل ہوگئے اور الطاف گوہر تین چار ٹائپسٹوں کے ساتھ ایوانِ صدر پہنچ گئے۔انہوں نے صدر کے انٹرویوز کرنا شروع کردیئے۔اس کتاب پر چودہ ماہ کام جاری رہا۔الطاف گوہر نے راقم کو بتایا:''جب صدر ایوب کا انٹرویو ختم ہوا تو ہمارے پاس صدر کی زندگی کے بارے میں ۱۴۰۰ صفحات جمع ہوچکے تھے۔میرے لیے یہ کام انتہائی مشکل تھا کیونکہ میں نے کتاب کے سائز، پاکستان کے امیج اور صدر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب کی خواہشات تینوں کا خیال رکھنا تھا۔صدر کی زندگی میں ایسی بے شمار باتیں تھیں جنہیں وہ بہت اہمیت دیتے تھے لیکن اگر پاکستان کے امیج کو سامنے رکھا جاتا تو صدر کے حالاتِ زندگی پاکستان کے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوتے۔ بہر حال صدر کی خواہش تھی وہ حالات کتاب میں ضرور شامل کیے جائیں جبکہ میں کتاب کو ان واقعات سے بچانا چاہتا تھا۔لہٰذا صدر کو راضی کرنے کے لیے مجھے جتنی محنت کرنا پڑی وہ میں جانتا ہوں۔''

الطاف گوہر کی تحریر کردہ یہ کتاب بعد ازاں **"Friends, Not Master"** کے نام سے شائع ہوئی۔ کچھ عرصے بعد اس کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا گیا۔اس ترجمے کا ٹائٹل ''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی'' تھا۔ یہ اپنے دور کی بہت مشہور تصنیف تھی۔اس کتاب نے اندرونِ پاکستان اور بیرونِ پاکستان سیل کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے لیکن ایوب خان کا اقتدار غروب ہوتے ہی یہ کتاب بھی گم نامی کے گوشوں میں تحلیل ہوگئی۔آج اگر آپ پاکستان کی بڑی بڑی لائبریریوں تک میں یہ کتاب تلاش کرنا چاہیں تو آپ کو وہاں بھی اس کا نام ونشان نہیں ملے گا۔آج حالت یہ ہے کہ ایوب خان کے بعد پیدا ہونے والی نسل کا شاید ہی کوئی ایسا نوجوان ہو جس نے یہ کتاب پڑھی ہو یا وہ اس کے بارے میں کچھ جانتا ہو۔اس کتاب کا المیہ دیکھئے پاکستان کے مورخین تک اس کتاب کو تحقیقی مقالے میں حوالے کے طور پر استعمال نہیں کرتے۔

ہمایوں گوہر' الطاف گوہر کے صاحبزادے ہیں۔ان کی زندگی کا زیادہ تر حصہ ملک سے باہر گزرا ہے۔صدر پرویز مشرف کے ایک دوست امریکہ میں کاروبار کرتے ہیں۔ ہمایوں گوہر کی بیگم صدر صاحب کے اس دوست کی رشتہ دار ہیں۔ ہمایوں گوہر کا اس امریکی پاکستانی دوست کے حوالے سے صدر پرویز مشرف کے ساتھ رابطہ ہوا۔ ہمایوں گوہر اس وقت ''نیشن'' اخبار میں کالم لکھتے تھے۔وہ ایک چھوٹی سطح کا میگزین بھی شائع کرتے تھے۔ یہ محدود سرکولیشن کا جریدہ تھا جسے کچھ مخصوص لوگ پڑھتے تھے۔ ہمایوں گوہر نے صدر پرویز مشرف سے ملاقات سے پہلے ایک اعلیٰ درجے کا میگزین شائع کرنے کا پروگرام بنایا۔جب ہمایوں گوہر کی صدر صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے صدر صاحب کے سامنے اس میگزین کا آئیڈیا رکھا۔صدر صاحب نے انہیں یقین دلایا اگر آپ اس قسم کا میگزین نکالیں تو حکومت آپ کو سپورٹ کرے گی۔اس یقین دہانی کے بعد میگزین شروع ہوگیا۔ یہ میگزین تادمِ تحریر شائع ہو رہا ہے اور یہ پاکستان میں سب سے مہنگا میگزین سمجھا جاتا ہے۔ ہمایوں صاحب اس میگزین کے ہر شمارے میں پاکستان اور عالمی سطح کی کسی شخصیت کا انٹرویو شائع کرتے ہیں۔ ہمایوں کی صاحبزادی ثانیہ گوہر بھی اس میگزین سے وابستہ ہیں۔گزشتہ برس ہمایوں گوہر اور ثانیہ گوہر نے صدر پرویز مشرف سے ایک فیملی انٹرویو کیا تھا۔اس انٹرویو میں صدر نے اپنی زندگی کے بے شمار نرم اور سخت گوشے طشت از بام کر دیئے۔ یہ انٹرویو بہت مقبول ہوا۔اس مقبولیت کو جواز بنا کر ہمایوں گوہر نے صدر صاحب کو خودنوشت لکھنے کا آئیڈیا دیا۔ صدر صاحب نے یہ تجویز پسند کی۔جس کے بعد صدر کی خودنوشت پر کام شروع ہوگیا۔صدر نے ہمایوں گوہر کو اس خودنوشت کی تمام ذمہ داری سونپ دی۔ایک غیر ملکی صحافی بھی اس کام میں ان کے ساتھ شریک تھا جبکہ چند باب ہمایوں گوہر کی صاحبزادی ثانیہ گوہر نے بھی تحریر کیے۔صدر پرویز مشرف کی خودنوشت اور صدر ایوب کی آٹو بائیوگرافی میں ایک چیز مشترک تھی۔

صدر پرویز مشرف بھی اپنی اس آپ بیتی میں صدر ایوب خان کی طرح اپنی زندگی کے بے شمار ایسے واقعات بیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا چاہتے تھے جو پروٹوکول کے حوالے سے ٹھیک نہیں لگتے تھے اوران کی وجہ سے پاکستان کے امیج کوٹھیک ٹھاک نقصان پہنچ سکتا تھا۔ ہمایوں گوہر صحافی بیک گراؤنڈ کے شخص ہیں۔لہٰذا جب وہ اپنے صحافتی پس منظر کوسامنے رکھ کران واقعات کو دیکھتے تھے تو انہیں یہ واقعات بہت ٹھیک اور سنسنی خیز محسوس ہوتے تھے۔لہٰذا اس کتاب کی تحریر کے دوران ہمایوں گوہر کا صحافی اور صدر پرویز مشرف کا جرأت مندسپاہی اکٹھے ہوگئے۔یوں صدر کی خودنوشت ایک سنسنی خیز دستاویز کی شکل اختیار کرگئی۔

الطاف گوہراور ہمایوں گوہر میں ایک بنیادی فرق تھا۔الطاف گوہر ایک منجھے ہوئے بیوروکریٹ تھے۔انہوں نے اسسٹنٹ کمشنر کی حیثیت سے سول سروس کا آغاز کیا تھا۔چنانچہ وہ حکومتی،سفارتی اور ثقافتی رموز سے واقف تھے۔ان کو چیزوں کے نتائج اور ردّعمل کا اندازہ تھا۔وہ صدر ایوب خان کے بھی بہت قریب تھے۔لہٰذا الطاف گوہر نے صدر ایوب خان کو بعض چیزیں حذف کرنے پر قائل کرلیا تھا۔انہوں نے صدر ایوب کوان چیزوں کے نتائج اور ردّعمل سے بھی آگاہ کردیا تھا جبکہ ہمایوں گوہر کسی بھی دور میں سرکاری ملازم نہیں رہے۔لہٰذا وہ سرکاری اور سفارتی مجبوریوں سے واقف نہیں تھے۔وہ صدر پرویز کے بہت زیادہ قریب بھی نہیں تھے۔لہٰذا وہ انہیں خطرناک چیزیں حذف کرنے پر قائل نہ کرسکے۔چنانچہ جب ۲۵ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو صدر کی کتاب **IN THE LINE OF FIRE** شائع ہوئی تو اس نے پاکستان کے امیج کو جڑوں سے ہلا کر رکھ دیا۔اس کتاب میں بے شمار ایسی باتیں ہیں جن سے نہ صرف صدر پرویز کا امیج خراب ہوا بلکہ پاکستان کا بین الاقوامی تاثر بھی بری طرح مجروح ہوا۔مثلاً :اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں صدر نے اپنے دو معاشقوں کا ذکر کیا ہے۔یہ دو معاشقے صدر کے امیج کو بری طرح مجروح کررہے ہیں۔جس وقت صدر مشرف جوانی کے دور سے گزر رہے تھے تو وہ ایک کھلنڈرے نوجوان تھے لیکن جب یہ کتاب لکھی گئی تو وہ نہ صرف ایک مدبر اور سنجیدہ شخص تھے بلکہ وہ اسلامی دنیا کے پہلے ایٹمی اسلامی ملک کے صدر بھی تھے۔۵۰ء کی دہائی کے کھلنڈرے مشرف اور ۲۰۰۶ء کے مدبر مشرف میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔اگر کتاب لکھنے والے اور لکھوانے والے دونوں ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۶ء کے صدر مشرف کوسامنے رکھ لیتے تو شاید صدر کے امیج میں اضافہ ہوجاتا۔میں بات کو آگے بڑھانے سے پہلے صدر کی کتاب کے ابتدائی صفحات کی ایک تلخیص پیش کرنا چاہتا ہوں۔یہ تلخیص صدر کے معاشقوں کے بارے میں ہے جو انتہائی سنسنی خیز اور خطرناک ہے۔صدر صاحب لکھتے ہیں:انہوں نے اپنی پہلی محبت ایک پڑوسن سے کی اور دوسرا عشق ایک بنگالی لڑکی سے کیا۔صدر صاحب لکھتے ہیں:جب وہ دسویں جماعت میں تھے تو انہیں پہلی بار اپنی پڑوسن سے محبت ہوگئی۔صدر کا کہنا تھا وہ شرمیلے تھے لہٰذا لڑکیوں کو لبھانے کی بجائے خود ہی اس کے اسیر ہوگئے۔وہ لڑکی انگریزی نہیں جانتی تھی جبکہ میری اردو اچھی نہیں تھی۔چنانچہ میرا دوست یہ خط پڑھ کر مجھے سناتا تھا۔صدر لکھتے ہیں:وہ اپنی نانی سے پیغام رسانی کا کام لیتے رہے جس کا نانی کوعلم نہیں ہوتا تھا۔انہوں نے برقع پہنا ہوتا تھا تو وہ ان کی آنکھ بچاکر خط ان کے برقع کی جیب میں ڈال دیتے تھے۔اسی طرح دوسری لڑکی کے بارے میں لکھتے ہوئے کہتے ہیں:یہ مشرقی پاکستان کی بنگالی لڑکی تھی اور بہت خوبصورت تھی۔

یہ واقعات پڑھنے کے بعد آپ خود فیصلہ کیجیے۔آپ کے ذہن میں صدر مشرف کا کیا تاثر ابھرتا ہے۔صدر مشرف نے کتاب میں اپنی بیگم صہبا مشرف کے ساتھ منگنی اور اس کے بعد کے واقعات بھی لکھے ہیں۔ان واقعات میں انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تحریر کیا ہے کہ وہ بیگم صہبا مشرف سے شادی سے پہلے Dates لگاتے تھے اور وہ دونوں ڈسکو کلب بھی جاتے تھے۔ اس کتاب میں صدر پرویز مشرف نے بھٹو کو پاکستانی حکمرانوں میں بدترین اور منافق شخصیت قرار دیا۔ ان انکشافات کو اگر دیکھا جائے تو ان سے بھی ایک بہت اچھی شخصیت کا تاثر نہیں ابھرتا۔ صدر نے اس کتاب میں کتوں کے ساتھ اپنی رغبت کا انکشاف بھی کیا۔ ان کا کہنا تھا وہ اپنے گھر میں چھوٹے کتے پالا کرتے تھے اور انہیں کتے پالنے کا بہت شوق تھا۔ کتوں کے ساتھ اس محبت سے بھی صدر کا بہت اچھا امیج یا تاثر نہیں ابھرتا۔

یہ صدر کی ذاتی زندگی تھی۔ اب ان کی سیاسی اور عسکری زندگی کی طرف آئیں تو اس میں بھی بعض ایسے مقام آجاتے ہیں جن سے صدر اور پاکستان دونوں کا امیج خراب ہوتا ہے۔ مثلاً گیارہ ستمبر کو لیجیے۔ گیارہ ستمبر کے بعد جب امریکہ نے پاکستان کو دھمکی دی تو اس وقت پاکستان کے پاس امریکہ کا ساتھ دینے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ پاکستان، امریکہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ ہم عسکری، معاشی اور معاشرتی طور پر کمزور تھے۔ اس کے بعد وہ ڈاکٹر عبدالقدیر کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ذوالفقار علی بھٹو کے زمانے ہی سے آزادی حاصل تھی اور وہ صرف صدر پاکستان کو جوابدہ تھے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اس آزادی کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور وہ ۱۹۸۷ء میں ایٹمی معلومات کے تبادلے کے عمل میں مصروف ہوگئے۔

صدر لکھتے ہیں: ڈاکٹر قدیر خان نے لیبیا، شمالی کوریا، ایران اور بھارت سے ایٹمی معاہدے کیے اور انہوں نے قوم کو مشکل میں ڈال دیا جبکہ کارگل کے حوالے سے صدر لکھتے ہیں کارگل کی جنگ نے نواز شریف اور میرے درمیان خلیج کھڑی کردی۔ جب نواز شریف بیرونی دباؤ پر زیر قبضہ علاقے خالی کرنے پر مجبور ہوئے تو وہ بکھر گئے۔ اگر ہم ان تمام واقعات کا تجزیہ کریں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے اس کتاب میں صدر صاحب نے نہ صرف خود کو ایک کمزور شخصیت کے طور پر پیش کیا بلکہ انہوں نے پاکستان کو بھی ایک ایسا ملک ثابت کردیا جس کی اپنی کوئی ٹھوس پالیسی نہیں۔ جس میں طاقتور حکمرانوں کی زبان کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے۔

یہ کتاب ثابت کرتی ہے پاکستان کی نہ تو کوئی داخلہ پالیسی ہے اور نہ ہی کوئی خارجہ۔ یہ کتاب ثابت کرتی ہے پاکستان اخلاقی طور پر بھی ایک انتہائی کمزور ملک ہے اور ہم لوگ اس حد تک مجبور اور کمزور لوگ ہیں کہ رچرڈ آرمیٹج کی ایک کال ہماری پچاس سالہ پالیسیوں کو یوٹرن لینے پر مجبور کردیتی ہے۔ یہ کتاب ثابت کرتی ہے اسلام کے نام پر بننے والے ملک میں اسلام محفوظ ہے اور نہ ہی ایمان۔ یہ کتاب ثابت کرتی ہے پاکستان میں عوام کے نظریات اور خیالات اس ملک کی رولنگ ایلیٹ کلاس کے خیالات سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ کتاب ثابت کرتی ہے اس ملک کے حکمران پاکستان کو ایک ایسی ریاست بنانا چاہتے ہیں جو امریکہ اور اس کے اتحادی ملکوں کے لیے قابل قبول ہو۔ ہمارے حکمران پاکستان کو ایک ایسی ریاست بنانا چاہتے ہیں جس میں عورتیں ''آزاد'' ہوں، جس میں ڈسکو کلب اور شراب عام ہو اور جس کے حکمرانوں میں وہ تمام شرعی عیب موجود ہوں جن کی اخلاقیات اجازت دیتی ہے اور نہ ہی مذہب۔ یہ کتاب' کتاب نہیں بلکہ ہماری سفارتی اور سیاسی بداعمالیوں کا دستاویزی ثبوت ہے۔

(مطبوعہ: ہفت روزہ ''ضربِ مؤمن'' کراچی۔ ۶ تا ۱۲ / اکتوبر ۲۰۰۶ء)

© rasailojaraid.com